ترجمہ : مولانا سعید احمد بھٹو

مخدوم عبدالواحد صدیقی سیوستانیؒ

بیاض واحدی

سندھ اہل علم واہل قلم اور اہل اللہ کی سرزمین ہے، جن کے سنہری کارناموں سے سندھ کی تاریخ اب تک جگمگا رہی ہے اورنئی نسل کے لئے آج بھی اسلاف کا شاندارکردار مشعل راہ ہے۔ مخدوم عبدالواحد صدیقی سیوستانی (وفات: ۱۴رمضان ۱۲۲۴ھ) بھی انہیں اکابر میں سے ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے تابناک علمی وادبی نقوش چھوڑے ہیں۔زیرِ نظر ''بیاض واحدی'' بھی ان کی دینی، علمی، وفقہی مسائل پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے۔ موجودہ صدیقی خاندان کے چشم وچراغ مخدوم سلیم اللہ صدیقی پاٹائی حال حیدرآبادی کے ذاتی کتب خانہ میں اس کا اصل نسخہ موجود ہے اور یہ انہی کی مساعی حمیدہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اس عظیم اور ضخیم دینی کتاب کا اردو ترجمہ ان کے تعاون اور ان کے شکریہ کے ساتھ ''الولی'' میں قسط وار شائع کررہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ خود مسلمانوں کا مطمح نظر دین سے ہٹ کر اور اپنے تابناک ماضی سے کٹ کر مادیت کے محور پر مرکوز ہوگیا ہے، ایسے حالات میں مخدوم سلیم اللہ صدیقی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ اس کتاب کے سندھی واردو ترجمہ کی اشاعت کے لئے کوشاں ہیں زیر نظر ترجمہ مولانا سعید احمد بھٹو کا ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتاب ہذا کی جلد اول افغانستان اور پاکستان میں متعدد بار چھپ چکی ہے۔(ادارہ)

مختصر حالات مخدوم عبدالواحد سیوستانی

ولادت ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سیوہن علماء، فضلاء کا گہوارہ تھا۔ بالخصوص مخدوم صاحب کا خاندان علم وعمل کا گہوارہ تھا۔ آپ کو حدیث، فقہ، تفسیر، نحو وصرف، تصوف، حکمت اور شاعری، غرض تمام علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ان خصوصیات کی وجہ سے آپ سرکاری طور پر ٹالپر حکومت کی طرف سے مفتی تسلیم کیے گئے اور اس وقت کے علماء آپ کے فتاویٰ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ فقہ حنفی میں آپ کو جو مہارت حاصل تھی، اس کی وجہ سے آپ کو ''نعمانِ ثانی'' کہا جاتا تھا۔ آپ کے فتاویٰ کو آپ کے شاگرد مولانا محمد افضل جمع کرتے رہے، جو اس وقت چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کا نام ''جمع المسائل علیٰ حسب النوازل'' رکھا گیا، لیکن اس وقت یہ مجموعہ ''بیاض واحدی'' یا ''فتاویٰ واحدی'' کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے ہند وپاک میں موجود ہیں۔ نیز وسطی ایشیا اور افغانستان میں بھی بیاضِ واحدی کے نسخے موجود ہیں۔ افغانستان کے دینی مدارس کے نصاب میں بھی یہ کتاب داخلِ درس رہی ہے۔ اس کتاب کے علاوہ مخدوم صاحب کی اور بھی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں اس وقت بھی کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مخدوم موصوف کے علمی ورثہ سے نئی نسل کو متعارف کرانے کے لیے ہمہ تن کوشش کی جائے اور اس سلسلے میں کوئی ٹرسٹ قائم کرکے باقاعدہ کام کو آگے بڑھایا جائے۔ ہم دعا گو ہیں کہ مخدوم سلیم اللہ صدیقی پاٹائی حال حیدرآبادی اس سلسلے میں جو کوششیں کر رہے ہیں، اللہ ان کو بار آور فرمائے اور ان کو اپنے مشن میں مکمل کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

کتاب الایمان

تقدیر اور اس کی اقسام: حدیث میں ہے کہ تقدیر پر ایمان لانے سے غم اور دکھ دور ہوجاتا ہے(مستدرک حاکم) ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے کہ تقدیر سے گریز کرنے سے آدمی اس سے بچ نہیں سکتا(حاکم)ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب اللہ جل شانہ بندہ کے بارے میں کسی معاملے کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے فیصلہ اور تقدیر کو کوئی روک نہیں سکتا۔(اس کو قانع نے روایت کیا)کہا جاسکتا ہے کہ تقدیر چند اسباب کے ماتحت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، مگر دعا اور عمر کو نہیں بڑھاتی مگر صلہ رحمی(ترمذی وغیرہ) اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا فرمان نبوی ﷺ قضائے معلق سے متعلق ہے۔ چنانچہ لمعات میں ہے کہ اس سے مراد وہ تقدیر ہے جس میں تبدیلی ممکن ہوتی ہے اور کسی سبب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ اسے ٹال دیتا ہے۔ اسی طرف اشارہ کرتی ہے وہ بات جو امام غزالیؒ نے ارشاد فرمائی ہے کہ جان لو کہ تقدیر کی ایک قسم وہ ہے جسے دعا ٹالتی ہے اور دعا مصیبت کو دور کرنے کا باعث ہے اور مصیبت نام ہے زحمت اور تکلیف کو ختم کرنے کا جس طرح تیر کو پھینکنے کا باعث کمان ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر کی ایک قسم وہ ہے، جسے دعا ٹال دیتی ہے اور اسے قضائے معلق کہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں"قضائے مبرم" ہے، جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ مصیبت کو ٹالنے میں دعا کا خاص اثر ہے اور صلہ رحمی سے عمر بڑھتی ہے۔ ایسے دیگر اسباب بھی ہیں جو تقدیر کے بارے میں اپنی تاثیر رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ صلہ رحمی، اچھا اخلاق اور ہمسایوں سے بہترین سلوک کرنا آبادی اور عمر کو بڑھاتا ہے، (اسے احمد نے روایت کیا) ایک حدیث میں یوں ہے کہ لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں جبکہ ان کی عمر کے صرف تین دن باقی ہوتے ہیں، مگر صلہ رحمی کی وجہ سے ان کی عمریں اللہ تعالیٰ جل شانہ تیس برس تک بڑھادیتا ہے، (اس حدیث کو ابوالشیخ نے روایت کیا) اور اسی طرف اللہ جل شانہ کے فرمان میں اشارہ ہے:"وما یعمر الا فی کتاب"اور کوئی جاندار زندہ نہیں رہتا مگر یہ بات بھی لوح میں لکھی ہوئی ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ عمر میں کمی بیشی ان مختلف اسباب کے تحت ہوتی ہے جو لوح محفوظ میں درج ہیں۔ مثلاً اگر اس میں لکھا ہو کہ فلاں شخص حج کرے گا تو اس کی عمر ساٹھ برس، ورنہ چالیس سال ہوگی۔ اور اسی پر کسی چیز کے مٹانے یا باقی رکھنے کا انحصار ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت**(سورہ رعد) اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ آیت اس حدیث کے منافی ہے جس میں وارد ہے کہ" جو ہونا تھا، اس سے قلم خشک ہوچکا۔"(یعنی وہ ہوچکا) اور" اللہ تعالیٰ چار چیزوں سے فارغ ہوچکا: تخلیق، اخلاق،رزق اور موت سے۔"(طبرانی) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اسی تقدیر کا حصہ ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ قلم اس سے خشک ہو چکا۔ پس اللہ تعالیٰ جل شانہ وہی چیز مٹا بھی دیتا ہے جس کا مٹانا علم الٰہی میں مقدر ہوتا ہے(حاشیہ بیضاوی شیخ زادہ) لمعات میں ہے کہ: تحقیق یہ ہے کہ یہ(صلہ رحمی وغیرہ) بھی عمر بڑھانے کا منجملہ دیگر دنیاوی اسباب کے ایک سبب ہے۔ پس جس کی عمر بڑھانے کا اللہ تعالیٰ جل شانہ ارادہ فرماتا ہے، اسے صلہ رحمی کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ یہ اضافہ لوگوں کے ظاہری اعتبار سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے علم کے مطابق اس میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ اضافہ ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جلشانہ اور رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا فرمودات میں مطابقت ممکن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کتابیں دو اقسام کی ہیں: ایک جس میں اللہ تعالیٰ جو چیز چاہتا ہے مٹادیتا ہے۔ دوسری وہ جس میں کوئی

تبدیلی نہیں ہوتی۔ اسی کو قضائے مبرم بھی کہتے ہیں یعنی نہ بدلنے والی تقدیر(تفسیر معینی)یہ بھی کہا گیا ہے کہ مٹانے یا باقی رکھنے کا عمل لوح محفوظ میں واقع ہوتا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی، وہ اللہ رب العزت کا علم ہے، وہی ''ام الکتاب'' ہے(تفسیر بکری) خلاصہ یہ ہے کہ قضائے معلق کے برعکس قضائے مبرم میں تغیروتبدّل ناممکن ہے۔ لیکن بعض اکابر اولیاء قدس اللہ اسرارہم کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ قضائے مبرم میں بھی تبدیلی ممکن ہے،مگر اس سے بھی وہ مبرم قضا مراد ہے جو لوح محفوظ میں ناقابل تنسیخ مرقوم ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جلشانہ کے علم میں وہ معلق ہوتی ہے،کیوں کہ حقیقی قضائے مبرم میں ہرگز تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جلشانہ کا ارشاد ہے: مایبدل القول لدی۔''میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی۔''امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ مکتوبات میں فرماتے ہیں: ''جان لے اللہ رب العزت تجھے ہدایت دے کہ تقدیر دوقسم پر ہے: قضائے معلق اور قضائے مبرم۔قضائے معلق میں تبدیلی ہوتی ہے، مبرم میں نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جلشانہ فرماتے ہیں:میری بات تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ یعنی قضائے مبرم میں تغیر نہیں ہوتا اور قضائے معلق کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: اللہ جسے چاہے مٹادے اور جسے چاہے ثابت و محکم رکھے،اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔'' ہمارے حضرت پیر مرشد قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت سیدنا محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض خودنوشتہ رسالوں میں لکھا ہے کہ'' قضائے مبرم میں کسی کی مجال نہیں کہ اس میں تبدیلی کرے،مگر میں چاہوں تو اسے تبدیل کرلوں۔'' ہمارے شیخ شیخ موصوف کی اس بات پر بہت تعجب کرتے تھے، اور اسے بعید جانتے تھے۔ عرصہ تک یہ بات اس فقیر کے حاشیہ ذہن میں گردش کرتی رہی۔ یہاں تک حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی۔ ایک دن کسی دوست کی مصیبت دفع کرنے کی خاطر صدقہ دیا۔اس وقت بارگاہ الٰہی میں آہ وزاری اور فریاد رسی کی التجا کی۔تب یہ راز ظاہر ہوا کہ لوح محفوظ میں ایسا کام کسی حکم سے معلق اور منتھی اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہوتا۔ کچھ ناامیدی سی سامنے آئی اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول یاد آگیا۔ باگاہ الٰہی میں دوبارہ دست بہ دعا ہوا اور عجز و زاری کی۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے التفات و مہربانی فرمائی اور یہ عقدہ کھلا کہ قضائے معلق بھی دوقسم کی ہے: ایک وہ جو لوح محفوظ میں معلق ہے اور فرشتے بھی اس سے آگاہ ہیں۔دوسری وہ جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پاس معلق، لیکن لوحِ محفوظ میں مبرم لکھی ہے اوریہی معلق قضا بھی تبدیلی کا امکان رکھتی ہے۔ شیخ موصوف کا قول بھی اسی کے بارے میں ہے جو لوح محفوظ میں مبرم ہے۔وہ مبرم قضا ان کا مقصود نہیں جس میں تبدیلی عقلاً اور شرعاً محال ہے، جیساکہ سب جانتے ہیں اور حق یہ ہے کہ اس قضا کے بارے میں کسی کو اطلاع ہوتی ہی نہیں تو کس طرح کوئی اس میں تصرف کرے گا؟ جس دوست کی مصیبت کا سطور بالا میں ذکر کیا، وہ آخری قسم قضائے معلق تھی۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی مصیبت ٹال دی۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذلک، واللہ اعلم بالصواب.

سوال: نبی کریم ﷺ کلمہ طیبہ کس طرح پڑھتے تھے، یعنی لا اللہ الا اللہ ابراھیم خلیل اللہ... اس کے بعداپنے بارے میں کس طرح گواہی دیتے تھے؟ کیا اس طرح کہ''اللہ کے سوا کوئی معبودنہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''ازواج مطہرات یہ گواہی کس طرح دیتی تھیں؟ ''اللہ کے سوا کوئی معبودنہیں اور ہمارے شوہرنامدار اللہ کے رسول ہیں۔'' اور آپؐ کے فرزند اور بیٹیاں کس طرح کہتے تھے؟ ''اللہ کے سوا کوئی معبودنہیں اور ہمارے والد بزرگوار اللہ کے رسول ہیں۔'' اور غلام اور امتی کس طرح کہیں؟ ''اللہ کے سوا کوئی معبودنہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔'' بہشت میں تمام انبیاء و رسول کس طرح کلمہ پڑھیں گے؟ کیا کتب فتاویٰ میں ایسی کوئی عبارت موجود ہے؟ اس کے بارے میں مفصل حکم بیان فرمائیں۔

جواب: بظاہر کلمہ طیبہ کے بارے میں اس تفصیل کی قابلِ اعتماد کتب میں کوئی بنیاد نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ قرآن مجید کی سورہ محمد اور دوسرا حصہ سورہ فتح میں ہے: لا الله الا الله (سورة محمد آیت ۱۹) محمد رسول الله (سورة فتح آخری آیت) یہ حکم ہر کلمہ پڑھنے والے کے بارے میں عام ہے۔ البتہ مشکوٰۃ میں بحوالہ ابوداؤد ہے کہ جب آپؐ مؤذن کو اشهد ان محمدا رسول الله کہتے سنتے تو فرماتے تھے: ''اور میں بھی اور میں بھی'' (یعنی یہی گواہی دیتا ہوں) ممکن ہے کہ کلمہ طیبہ میں بھی اسی طرح فرماتے ہوں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آپؐ ہماری ہی طرح کلمہ شہادت پڑھتے تھے یا یوں فرماتے تھے کہ: اشهد انی رسول الله۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ التحیات میں ہماری طرح گواہی دیتے تھے۔ (مؤطا مالک) مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ انہوں نے مؤذن کے جواب میں کہا کہ ''اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔۔۔'' پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح فرماتے سنا ہے۔ اس سے دونوں باتیں معلوم ہوئیں کہ آپؐ کبھی اِس طرح فرماتے اور کبھی اُس طرح۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ آپؐ بھی ہماری طرح ہی رسالت کی گواہی دیتے تھے۔ یعنی اشهد ان محمدا رسول الله. اسی پر کلمہ طیبہ کو قیاس کریں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ بات صحیح ہے تو اوروں کے بارے میں زیادہ قرین قیاس ہوگی۔ اس سلسلہ میں مذکور بالا تکلف کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

سوال: مشائخ کرام کا معمول ہے کہ ذکر نفی و اثبات کرتے ہیں، یعنی لا اله الا الله میں مشغول ہوتے ہیں۔ کیا اس میں ہر بار ''محمد رسول الله ﷺ'' کا ملانا لازمی ہے؟ بیان فرمائیں اور اجر حاصل کریں۔

جواب: بظاہر ذکر میں ایسا کرنا لازم نہیں، البتہ کلمہ طیبہ جو ایمان کا رکن ہے اور جس کے اظہار کے بغیر ایمان کا اعتبار نہیں، اس کے اظہار و اقرار میں ایسا کرنا واجب ہے، کہ یہ ایمان کی اولین شاخ ہے۔ ''مقالید الاسلام'' میں (بحوالہ شعب الایمان) ہے کہ: ایمان کی پہلی شاخ لااله الاالله کی گواہی دینا ہے۔ پس اسلام کی پہلی شاخ لا اله الاالله محمد رسول الله ﷺ کا اظہار ہے۔ اس طرح صرف لا اله الا الله کے الفاظ کو دہرانا افضل ذکر ہے۔ پس اہل میں محمد رسول اللہ ﷺ ملائے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ مگر جب کوئی شخص اسلام لائے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے اور پھر لا اله الا الله کے ذکر میں مشغول ہوجائے تو اس کے لئے اس میں ''محمد رسول الله'' کے الفاظ ہر بار ملانا ضروری نہیں، کیونکہ یہ ذکر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ ''سب سے افضل ذکر لا اله الا الله هے۔'' (ترمذی) اور یہی وہ کلمہ تہلیل ہے، جس کے تکرار کا ذکر احادیث میں وارد ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ من هلل مائة بالغداة ومائة بالعشی کان کمن اعتق مائة رقبة من ولد اسماعيل عليه السلام (جس نے صبح و شام ایک سو بار لا اله الا الله پڑھا، وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کیے۔ (ترمذی) ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ ''من سبح دبر کل صلوٰة مکتوبة مائة فكبرمائة وهلل مائة و حمد مائة غفرت له ذنوبه وان كانت اكثر من زبد البحر (رواه النسائی) جس نے ہر فرض نماز کے بعد سو بار سبحان اللہ، سو بار اللہ اکبر، سو بار لا اله الا الله اور سو بار الحمد پڑھا، اس کے سب گناہ معاف کیے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔ کلمہ طیبہ کے پہلے حصہ کو ''تہلیل'' کہا جاتا ہے نہ کہ پورے کلمہ کو۔ ''رشیدی'' میں ہے: ''لا اله الا الله کہنے کو تہلیل کہتے ہیں۔'' آپ کو معلوم ہوچکا کہ رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دی ہے کہ تہلیل کی تکرار کے ذریعہ یہ اور یہ ثواب حاصل کرو۔ یہ نہیں

فرمایا کہ جو پورا کلمہ طیبہ پڑھے گا اسے یہ اور یہ ثواب ملے گا، جیسا کہ واضح ہوا۔تہلیل کی تکرار کی تائید کے لئے یہ پہلی دلیل ہے۔ بلکہ اس سے اس کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔اگر چہ اس میں کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ نہ ملایا جائے۔ نیز یہی وہ لا الٰہ الا اللہ ہے جس کی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید ہوئی۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے ایسی بات سکھا جس سے تجھے یاد کروں اور تجھے پکارتا رہوں۔'' فرمایا کہ موسیٰ! لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔ عرض کی: میرے پروردگار! یہ تو تیرے سب بندے پڑھتے رہتے ہیں، میں تو تجھ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جو میرے لئے مخصوص ہو۔ فرمایا: اے موسیٰ! اگر سات آسمان اور میرے سوا اس میں جو بھی مخلوق ہے اور ساتوں زمینیں میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تب بھی لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہوگا۔ (شرح السنۃ) یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے بزرگان دین دن رات اس ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور بآواز بلند نیز آہستہ تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ کے الفاظ دہراتے ہیں۔ پس اس سے منع کرنے کا کوئی جواز نہیں، کیونکہ کلمہ طیبہ پر قیاس کرکے اس سے منع کرنا صحیح نہیں، جبکہ احادیث رسول ﷺ سے تہلیل کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے، جس کی بنا پر ذکر لا الٰہ الا اللہ مشائخ کا معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ حق کہتا اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اس باب میں مجھ پر یہی واضح ہوا۔

سوال: آیت شریفہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں قرب کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب: اہلِ تفسیر کہتے ہیں کہ اس سے علمی قربت مراد ہے، چنانچہ جلالین میں ہے: ''یعنی ہم اسے علم کی بنا پر اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' بیضاوی میں ہے کہ ''یعنی جو اسے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، ہم اس سے بھی زیادہ اس کا حال جانتے ہیں۔'' یہ کہنا بھی جائز ہے کہ علمی قربت کی وجہ سے ذاتی قربت مراد ہو، کیونکہ یہی اس کا سبب ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ اس سے اللہ کے علم کی قربت مراد ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ متشابہات میں تاویلات ہیں۔ اس سے انسان کی کوئی بزرگی، شرف اور فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کہ اس سے اس کی فضیلت کے حق میں دلیل لی جائے۔ اسی لئے تفسیر معینی میں ہے کہ: ''و نحن اقرب'' یعنی ہم بر بنائے علم کے اسے قریب ہیں لیکن میرے نزدیک زیادہ اولیٰ یہ ہے کہ اس آیت کی سرے سے کوئی تاویل ہی نہ کی جائے اور اس کا علم اللہ ذوالجلال کے حوالے کیا جائے۔ دراصل اس تاویل کا سبب مخلوق سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مشابہت کا وہم دفع کرنا ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مکتوبات میں جو بات بیان کی ہے، اس سے تاویل ''علمی قربت'' کے بغیر بھی یہ وہم دور ہوجاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا مخلوق سے قرب اور اتصال یوں بھی ممکن ہے جس طرح آئینہ میں مادی اشیاء کا عکس آتا ہے۔اس نوع کی قربت اور معیت، باری تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں، کیونکہ جب مادی اور جسمانی اشیاء کا عکس آئینہ میں آتا ہے تو آئینہ کے ساتھ ان کو قربت اور معیت تو حاصل ہوجاتی ہے، لیکن آئینہ میں نقصان اور عیب بھی واقع نہیں ہوتا۔نیز آئینہ کے اندر کسی چیز کا دخول اور حلول بھی نہیں ہوتا۔جو مرتبہ اور مقام آئینہ کو حاصل ہوتا ہے،اس کی وجہ سے مادی اشیاء آئینہ میں مؤثر بھی نہیں ہوتیں کہ اس میں ان کی صفات کا اثر نظر آئے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور بندے کے مابین قربت و اتصال کے اس مفہوم کے علاوہ جو بھی معانی مراد لیے جائیں گے، اس سے مشابہت اور تجسیم کا شبہ ختم نہیں ہوگا۔ اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ اس مسئلہ میں وہ ٹوہ میں مشغول ہونے کی بجائے اس کا علم اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حوالے کرتے ہیں۔

سوال: معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ مکان سے پاک و منزہ ہے، لیکن مؤمن کامل کے دل کو اس کا مسکن و ماویٰ کہنا جائز ہے۔ چنانچہ شیخ بوالحسن داہری رسالہ ''سراج المصلی'' میں لکھتے ہیں:

مکانی نباشد برائی خدا
نہ کعبہ مکانش نہ عرش وثرا
بود کفر گفتن مکانش بدان
مگر قلب مؤمن مکانش بدان
اگر شک بداری درین اعتقاد
ببین مثنوی تا تو یابی رشاد

(ترجمہ) اللہ جل شانہ مکان سے پاک ہے۔ اس کا مکان نہ کعبہ ہے۔ نہ عرش اور نہ تحت الثریٰ۔ اس کے لئے مکان ثابت کرنا کفر ہے لیکن قلب مؤمن اس کا گھر ہے۔ اس اعتقاد میں تجھے شک ہے تو مثنوی کو اٹھا کر پڑھ لو تا کہ سیدھا راستہ پاؤ۔)

اس کا کیا مطلب ہے؟ حدیث قدسی بھی اس پر دلالت کرتی ہے: **لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولـٰکن یسعنی قلب عبد مؤمن۔** یعنی (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ) نہ میری زمین مجھے ساتی ہے اور نہ میرا آسمان مجھے ساتا ہے، البتہ قلب بندہ مؤمن مجھے اپنے اندر سالیتا ہے۔ جنابِ والا! اہل السنّت والجماعت کا جو عقیدہ ہو، بیان فرمائیں۔

جواب: اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان و زمان کی قید و بند سے پاک ہے۔ کیونکہ مکان و زمان مخلوق ہے، جبکہ ذات باری تعالیٰ از ازل تا ابد مکان سے مبرا و منزہ ہے۔ ''شرح المواقف'' میں ہے کہ: اللہ کے لئے نہ زماں ہے اور نہ مکاں۔ کیونکہ کسی چیز کو زمانہ کی طرف منسوب کرنے کا لازمی مطلب ہے کہ زمانہ کے بغیر اس کا وجود نہ ہو۔ اسی طرح کسی چیز کو مکان کی طرف منسوب کرنے کا لازمی مطلب ہے کہ مکان کے بغیر اس کا وجود ناممکن ہے۔ ''العقائد السنیہ'' میں ہے کہ: ''ازل میں اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب مکان نہیں تھا۔ مکان بعد میں پیدا ہوا، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی ازلی وابدی صفات کے ساتھ بعینہٖ موجود ہے جس طرح مکان پیدا ہونے سے پہلے تھا۔'' ہاں! حدیث شریف میں قلب مؤمن کی وسعت کا ذکر ضرور موجود ہے۔ علامہ مناوی کے ''الحقائق السنیہ'' میں ہے: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) مجھے کوئی چیز نہیں سماپاتی لیکن میرے بندہ مؤمن کا دل مجھے اپنے اندر سمالیتا ہے۔ (دیلمی) لیکن اس سے مکان نہیں بلکہ قابلیت کے اعتبار سے وسعت اور کشادگی کا ظہور مراد ہے، کیونکہ مکان عرش ہو یا قلب ہو، کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے۔ امام ربانی ''مکتوبات'' جلد دوم مکتوب ۷۶ میں فرماتے ہیں: حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ نہ میری زمین مجھے ساتی ہے اور نہ میرا آسمان مجھے ساتا ہے، البتہ قلب بندہ مؤمن مجھے اپنے اندر سالیتا ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا کامل و اکمل ظہور قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو یہ دولت حاصل نہیں۔ مکتوب نمبر ۲۱ میں فرماتے ہیں کہ: حدیث بالا کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اکمل واتم درجہ میں ظہور باری تعالیٰ قلب مؤمن میں ہوتا ہے اور یہ شرف و فضیلت صرف اور صرف بندہ مؤمن کا مقدر ہے۔ ''قلب'' سے گوشت کا وہ لوتھڑا مراد ہے جو جسم میں ہوتا ہے۔ بیشک اسی جگہ ذات باری تعالیٰ کا ظہوراتم ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ اس کا ''مرتبہ احدیت'' عرش الٰہی کو حاصل ہے۔ اگرچہ اس کی ذات کا ''ظہوراتم'' جو اصلی ظہور ہے، اور وہی بڑے نصیب کی بات ہے۔ رہا مسئلہ صفات کے ساتھ ظہور پرنور کا تو، اس کی جگہ عرش عظیم ہے۔ درحقیقت اس کی صفات اس کا سایہ ہیں، پس اس کا ظہور سایہ کے شبہ سے مبرا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شیخ موصوف کی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ''ظہور'' باری تعالیٰ کا مطلب مکانی حلول و انسانی شمول نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے، بلکہ اس کا ذاتی ظہور

مراد ہے۔ مثنوی مولانا روم کے کلام سے جو مطلب شیخ ابوالحسن داہری نے اخذ کیا ہے اس کا بھی مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ظہور پر نور کی استطاعت قلب مؤمن میں ہے۔ لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ وہ اس میں حلول و دخول کرتا ہے۔ جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکان موجود ہے۔ تعالی اللہ عما یقولون، واللہ اعلم بالصواب.

سوال: کلمۂ شہادت میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کے بعد ''وٗ'' حرف عطف ہے جس کے بعد اشہد ان محمدًا عبدہ ورسولہ ہے۔ مگر کلمۂ طیبہ کے دونوں جملوں کے مابین حرف عطف نہیں! کیوں؟ اس کی حقیقت بیان فرمائیں۔

جواب: بظاہر اصل میں واو دو جملوں کو ملانے کے لئے آتا ہے۔ کلمہ طیبہ کے پہلے جملے میں تو نفی و اثبات کے دو جملے ہیں۔ پہلے میں غیر اللہ کی نفی اور دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں۔ کلمہ کے اس ابتدائی حصہ کو مبتدا کہتے ہیں، جس کا دوسرا جز محمد رسول اللہ ہے، جو اس کی خبر ہے اور اس میں حضرت محمد ﷺ کی رسالت ثابت کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء کو ملانے کی بجائے جدا جدا پڑھا جاتا ہے، کیونکہ اگر دونوں اجزاء کو ملا کر پڑھا جائے تو اس میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی صفتِ توحید میں نبی اکرم ﷺ کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ پس اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے درمیان میں حرف عطف نہیں دیا گیا کہ اس طرح کلمہ کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ رہا معاملہ کلمہ شہادت کا تو اس میں ایسا کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے پہلے جملے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور دوسرے جملے کا مقصد رسول پاک ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا ہے۔ اس لئے درمیان میں ''وٗ'' عطف لایا گیا ہے۔ نیز کلمہ شہادت کے پہلے حصہ کا مبتدا جملہ فعلیہ (اشہد) ہے جس پر دوسرے حصہ کے مبتدا جملہ فعلیہ (اشہد) کا عطف ہے۔ اور یہ ایک بہترین مناسبت ہے۔ کتاب ''مطوّل'' میں ہے کہ: حروف عطف کے محاسن میں سے جملہ اسمیہ، جملہ فعلیہ کی مناسبت پیدا کرنا بھی ہے۔ یعنی دونوں جملے یا تو اسمیہ ہوں یا فعلیہ۔ اسی طرح ان میں ماضی و مضارع کی مناسبت پیدا کرنا بھی ایک خوبی ہے۔ اس سے کلمہ شہادت کے دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف کے آنے اور کلمہ طیبہ کے درمیان حرف عطف نہ آنے کی بہترین مناسبت ظاہر ہوئی۔ غور فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

طہارت اور وضو کے مسائل

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص نے سر، ہاتھ اور جسم کے تمام اعضاء کو خوب رگڑا پھر وضو کیا۔ جس پانی سے ہاتھ منہ دھویا اس میں ملتانی ملی ہوئی تھی۔ یہ پانی ''ماء مطلق'' کے حکم سے خارج ہوا۔ اس صورت میں وضو کے اعضاء دھونے کا فرض ادا ہوا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

جواب: بظاہر ''ماء مطلق'' سے اعضاء کو دھونے کا جو حکم ہے، وہ شرط پوری نہیں ہوئی، پس فرض ادا نہ ہوا۔ ''خلاصہ'' کی درجہ ذیل عبارت اسی طرف اشارہ کرتی ہے: ''اگر وضو کرنے والے کے سر میں خضاب لگا ہوا ہے۔ اس نے خضاب کو رگڑا جو پانی میں مل گیا تو یہ پانی ''ماء مطلق'' کے حکم سے خارج ہوگیا۔ اس سے مسح کرنا جائز نہیں۔'' ظاہر ہے کہ خضاب کا مادہ پانی میں مل گیا، جس کی وجہ سے اس سے مسح جائز نہیں ٹھہرا اور ایسا پانی خالص پانی کے حکم سے خارج ہوگیا۔ جو صورتحال ہمیں درپیش ہے، یعنی ملتانی ملے پانی سے جسمانی اعضاء کو دھونا، یہ بھی بعینہ وہی چیز ہے۔ اس لئے اس سے بھی بطریقہ اولیٰ وضو صحیح نہ ہوگا۔

رہا سر کے مسح کے پانی سے کانوں کے مسح کرنے کا

مسئلہ، تو وہ جب ہے کہ عمامہ کو ہاتھ نہ لگائے۔ اگر مسح کے وقت عمامہ کو ہاتھ لگائے یعنی اسے اتار کر پھر مسح کرے تو اس صورت میں کانوں پر مسح کے لئے نئے پانی کی ضرورت ہے، ورنہ نہیں۔ (شرح منیۃ المصلی) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم علیہ السلام قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں خدمتِ اقدس میں پانی لاکر پیش کرتا۔ آپ اس سے وضو فرماتے اور عمامہ اور موزوں پر مسح فرماتے۔ (ابوداؤد) اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ بلال دور ہوں گے اور نبی علیہ السلام عمامہ سر سے اتارے بغیر سر پر مسح فرماتے ہوں گے۔ جبکہ بلال یہ سمجھے کہ آپ نے عمامہ پر مسح فرمایا ہے۔ (بحر) اس سے معلوم ہوا کہ سر کے مسح کے وقت عمامہ اتارنا ضروری نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عمامہ سر پر ہو تو بھی سر پر مسح کرنا جائز ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص وضو کرکے ٹیک لگا کر سو جائے اور امام شافعی کی تقلید کرتے ہوئے کہے کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اس وضو سے نماز پڑھے تو کیا امام شافعی یا کسی اور امام کا یہ قول ثابت ہے؟

جواب: بظاہر امام شافعی یا کسی اور امام کا ایسا کوئی قول ثابت نہیں۔ کیونکہ فتاویٰ وزیری میں ہے کہ جو شخص سہارے کے ذریعہ یا لیٹ کر نیند کرے، اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس پر ائمہ دین کا اجماع ہے، رحمہم اللہ۔ ہاں! نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا نبی علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے، جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔

سوال: بیمار کو کھانسی آئے اور منہ کے راستے سے اس کے پیٹ سے پیپ ملا ہوا بلغم نکلے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب: بظاہر اگر پیپ اس کے بلغم سے زیادہ یا برابر ہو تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں! چنانچہ درمختار میں ہے: پیٹ یا منہ سے بہنے والا خون وضو کو توڑ دیتا ہے، اگر بلغم پر غالب ہو تو زیادہ یا احتیاطاً برابر ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ یعنی اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ واضح ہو کہ پیپ خون کی مانند ہے جس کا حکم ہے کہ وہ ناپاک ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: انسانی جسم سے جو بھی چیز نکلے اور اس کا نکلنا وضو یا غسل کو واجب کرے تو نجاستِ غلیظہ کے حکم میں ہے۔ مثلاً پاخانہ، پیشاب، منی، مذی، ودی اور قے جبکہ وہ منہ بھر کر نکلے۔ اسی طرح بحر الرائق میں ہے۔

سوال: نیا تیار کردہ سفید کپڑا جس میں بظاہر نجاست کا اثر نہ ہو، اسے دھوئے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی صرف نجاست کے کھٹکے کی وجہ سے اسے دھونا لازم تو نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

جواب: بظاہر اس میں نماز جائز ہے اور محض شک و شبہ کی بنیاد پر اس کا دھونا لازمی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اصولاً ہر چیز پاک ہے۔ ''الطریقۃ المحمدیہ'' میں ہے کہ: اشیاء میں بنیادی حکم پاک ہونے کا ہے، جیسا کہ عام کتب فتاویٰ میں ہے اور یقینی چیز کو شک سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یقین سے گمان اور شک ختم ہوجاتا ہے۔ یہ وہ بنیادی قاعدہ کلیہ ہے جو شریعت میں مسلم ہے اور احادیثِ نبوی کی نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حنفی و شافعی فقہ کی کتب بھی اس کی وضاحت کرتی ہیں اور اس باب میں کسی کی مخالفت سامنے نہیں آئی۔ پس پانی، زمین، مٹی، بستر، لباس، کھانے پینے کی اشیاء، برتن یا کوئی بھی چیز جو بنیادی لحاظ سے پاک ہو، وضو، نماز اور دیگر معاملات میں وہ چیز طاہر اور پاک ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے اس کے بارے میں صحابیٔ رسول علیہ السلام کا عمل (اثر) منقول ہے۔ امام بخاری **کتاب الصلوٰۃ باب الصلاۃ فی الجبۃ الشامیہ** میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (نصاریٰ ساختہ) قمیص میں دھوئے بغیر نماز پڑھی۔ علامہ عینی اس

حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس اثر سے اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز معلوم ہوتا ہے جو دھویا نہ گیا ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

سوال: ''مطلوب الواقعات'' میں ہے کہ نئے تیار شدہ کپڑے میں اسے دھونے سے پہلے نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ کپڑا پاک اُون سے تیار ہوتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ علمائے دین فرماتے ہیں کہ اُون سے کپڑا تیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کھال کو رنگا جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہے۔ یہ قول عام مشائخ نے اختیار فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس عبارت پر عمل ہے یا نہیں؟

جواب(۱): بظاہر ''مطلوب الواقعات'' غیر معروف کتاب ہے۔ اس میں عجیب و غریب روایات ہیں جو ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اُون کو رنگی ہوئی کھال پر گمان کرنا صحیح نہیں، کیونکہ چمڑے کو بدبو اور نجاست سے پاک صاف کرکے پھر اسے رنگا جاتا ہے جبکہ اُون سے تیار کردہ کپڑے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے اور یہ وہ معاملہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔ بن دھلے نئے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مگر اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب تک نجاست نظر نہ آئے، ہر چیز بذات خود پاک ہے اور اس سے بنی ہوئی اشیاء بھی پاک ہیں۔

جواب (۲): بظاہر مصنف ''بحر الرائق'' جیسے محققین کے ہاں مشہور ہے کہ اُون پاک اشیاء میں سے نہیں۔ اس لئے اُس کا ذکر پاک اشیاء میں نہیں کیا جاتا، لیکن اس سے تیار کردہ کپڑے کو محض نجاست کے خدشے کے تحت دھونا بدعت ہے۔ (الطریقۃ المحمدیہ)

سوال: گائے یا بھینس کو ولادت کے ابتدائی ایام میں جو کچا دودھ ہوتا ہے، جسے ''پُس'' کہا جاتا ہے، حلال ہے یا نہیں؟

جواب: بظاہر دودھ کا رنگ سرخی مائل ہو تو خون کے حکم میں ہوگا۔ پس اُسے خون کے غلبہ کی وجہ سے استعمال کرنا حلال نہیں۔ البحر میں ہے کہ حکم غالب چیز پر ہوتا ہے، لیکن اگر دودھ کا رنگ زیادہ پیلا ہے تو اس کا حکم دودھ کا ہوگا۔ پس دودھ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال حلال ہے۔ بحر میں ہے: کسی چیز کے خون ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا رنگ سرخ ہو۔ اس کے برعکس اگر اس کا رنگ پیلا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خون نہیں۔

سوال: منہ بھرے بغیر قے میں خون آئے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

جواب: وضو ٹوٹے گا جیسا کہ بحر میں ہے کہ زخم کا مادہ پیٹ سے کسی چیز کی ملاوٹ کے بغیر نکلے تو امام محمد کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا، بشرطیکہ تمام اقسام کی قے کی مانند منہ بھر کر نکلے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قول کے مطابق اگر بزور نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگرچہ مقدار میں کم ہو کیونکہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ خون پیٹ میں زخم کی وجہ سے برآمد ہوا ہے، درمختار میں ہے کہ پیٹ یا منہ سے بہتا ہوا خون جبکہ بلغم پر غالب ہو، اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اور اس کا حکم زیادہ ہونے یا احتیاطاً برابر ہونے کا ہوگا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں جو جنبی ہو؟ مسجد کے مٹکے سے پانی نکال کر وضو کرے وہ اپنا ہاتھ مٹکے یا گول کے اندر ڈالے تو ایسے پانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: بظاہر ضرورت کے تحت ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ جب جنبی یا حائضہ (ظاہری پلیتی سے) پاک ہاتھ پانی نکالنے کے لئے گول وغیرہ میں ڈالے تو ضرورت کی بنا پر وہ پانی ''ماء مستعمل'' کے حکم میں نہیں ہے۔

(جاری ہے)